



حیات امین احسن

(۲)

باب ۲

”امین فراہی“

امام فراہی کا سانحہ ارتحال نومبر ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ انتقال سے قبل متھرا کے ضلعی اسپتال وہ امین احسن کو یاد کر رہے تھے۔ امین احسن کو بلوایا گیا۔ وہ آئے۔ ابھی کمرے سے باہر ہی تھے کہ فراہی نے کہا: ”امین آگئے۔“

امین احسن کہتے تھے کہ انھوں نے میرا نام اپنی زبان سے اس طرح ادا کیا کہ گویا نام نہیں لے رہے، اس کے معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اپنے علم و فکر کی امانت میرے سپرد کر رہے ہیں۔“ پھر اپنے ”امین“ کو اندر بلوایا۔ سینے سے لگایا۔

فراہی کے اس اضطراب سے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ شدت کے ساتھ اس انتظار میں تھے کہ اپنی علمی ”امانت“ اپنے ”امین“ کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہوں۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ امین احسن نے اس امانت کو صحیح معنوں میں اس کے مستحقین تک پہنچایا۔ اسی لیے جاوید احمد صاحب غامدی نے لکھا ہے:

”... سقراط و فلاطون، ابو حنیفہ اور ابویوسف، ابن تیمیہ اور ابن قیم یہ جس طرح ایک دوسرے سے الگ

نہیں ہو سکتے، فراہی و اصلا حجتی بھی، اس دنیا میں، اب ہمیشہ ایک ہی وجود کے دو نام رہیں گے:

چوں تمام افند سراپا نازی گردد نیاز
قیس رالیلی ہی نامند در صحرای من“

... وہ اپنے استاد سے آگے نہیں بڑھے تو پیچھے بھی نہیں رہے۔ حمید الدین جس مقام پر پہنچے تھے، ان کی ساری عمر اس کے اسرار و رموز کی وضاحت میں گزری ہے۔۔۔

... [امین احسن کے صحافت ترک کر کے فراہی سے قرآن پڑھنے کا فیصلہ کرنے کے بعد] مولانا سید سلیمان ندوی نے کسی کالج میں پروفیسری کے لیے ان کا نام تجویز کیا اور کالج کے ذمہ داروں سے ہامی بھر لی کہ وہ انھیں راضی کر لیں گے۔ امین احسن کو بتایا گیا تو وہ چلچلاتی دھوپ میں پیدل چلتے ہوئے دارالمصنفین پہنچے اور سید صاحب سے عرض کیا: آپ نے اس فقیر کا نام تجویز کیا، آپ کا شکریہ۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں یہ پیشکش قبول نہ کر سکوں گا۔ امام فراہی کو میں ان کی زندگی میں چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ وہ بتاتے تھے کہ سید صاحب بالکل حیران رہ گئے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک غریب طالب علم اتنی بڑی پیشکش اس طرح ٹھکرا دے گا۔ بعد میں انھوں نے ندوہ میں تقریر کرتے ہوئے بڑے تاثر کے ساتھ اس واقعے کا ذکر کیا اور طلبہ سے کہا کہ دیکھو، طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال، میں یہ بات کہہ کر چلا آیا، لیکن مجھے اندیشہ رہا کہ استاذ امام ان دنوں اگر ”دارالمصنفین“ آئے تو ہو سکتا ہے کہ سید صاحب ان سے بات کریں اور وہ مجھے بھیج دینے کا وعدہ کر لیں۔ ان کا چہرہ ایک عجیب احساس فخر سے تھمٹا اٹھتا تھا، جب وہ بتاتے تھے کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ استاذ امام وہاں گئے بھی اور سید صاحب نے ان سے بات بھی کی، لیکن انھوں نے صاف کہہ دیا: آپ امین احسن کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ میں یہ ساری محنت آخر کس کے لیے کر رہا ہوں؟“

(ماہنامہ ”اشراق“، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۹)

علامہ سید سلیمان ندوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”اواخر عمر میں مرحوم (مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ) کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مزاج کے مطابق تیار کریں۔ چنانچہ کم از کم دو طالب علموں کی خاص طور سے انھوں نے دماغی تربیت کی۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷)

جناب ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

”مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے فخر و امتیاز کے لیے یہ کافی ہے کہ انھیں مولانا فراہی کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔ اور وہی ان کے سب سے ممتاز شاگرد کی حیثیت سے مشہور ہوئے جس کا حق بھی انھوں

نے خاطر خواہ طور پر ادا کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ”بعض مستعد طلبہ نے مولانا فرہابی رحمۃ اللہ علیہ کے اس درس سے پورا فائدہ اٹھایا جن میں قابل ذکر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی ہیں۔ ہماری آئندہ توقعات ان سے بہت کچھ وابستہ ہیں۔“

اپنے استاد کا نام روشن کرنے اور ان کے افکار و نظریات کی اشاعت و ترجمانی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ جب کسی جانب سے مولانا فرہابی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی اعتراض ہوتا تو وہ ان کی حمایت کے لیے سینہ سپر ہو جاتے۔ ان کے اس قسم کے مضامین ”الاصلاح“ اور ”معارف“ دونوں میں چھپے ہیں۔ ایک زمانے میں ان کے استاد علامہ فرہابی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ الاستاد علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف غوغائے تکفیر بہا ہوا تو وہی ان مظلوم ”امین ہامین“ کی مدافعت اور ان کی یادگار مدرسۃ اصلاح کو شریکوں سے بچانے کے لیے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے:

بیا ورید گر این جا بود سخن دانے

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد“

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۷-۸)

”مولانا حمید الدین فرہابی رحمۃ اللہ علیہ نے اواخر قرآن کی بعض مختصر سورتوں کی تفسیر لکھی تھی۔ باقی سورتوں کے متعلق کچھ نوٹ اور متفرق اشارات ہی لکھ سکے تھے۔ ضرورت تھی اور عرصہ سے مولانا فرہابی رحمۃ اللہ علیہ کے قدردانوں کا اصرار بھی تھا کہ ان کے اصول و متعینہ خطوط کے مطابق مکمل قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام مولانا کے تلامذہ میں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ انھوں نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کیا جو واقعۃً ان کا بڑا کارنامہ اور ان کا راز تو آید و مرداں چنیں کنند کے مصداق ہے۔“

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۰)

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (ڈاکٹر حفیظ اللہ ان کے ماموں ہیں) لکھتے ہیں:

”۱۹۵۸ء میں مولانا اختر احسن اصلاحی کی وفات کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی نہ صرف فکر فرہابی کے

امین، بلکہ اس کے سب سے بڑے شارح و ترجمان بھی رہے۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۶)

امین احسن کے شاگرد محترم سلیم کیانی لکھتے ہیں:

۱۔ ”اے رگ جان، اگر یہاں کوئی سخن داں ہے تو اس غریب الوطن کے پاس بھی کہنے کو بہت کچھ ہے۔“

”راقم ۱۹۶۳ء میں مولانا کے قائم کردہ حلقہ تندر قرآن میں شامل ہوا تو اس وقت وہ عجلت میں دکھائی دیتے تھے۔ انھیں یقین نہیں تھا کہ کام کرنے کی کتنی مہلت باقی رہ گئی ہے۔ وہ اس بات سے فکر مند تھے کہ ان کے استاد امام نے جو امانت ان کے سپرد کی ہے کہیں وہ ہمیشہ کے لیے ضائع نہ ہو جائے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے: ”میری باتیں غور سے سن لیا کرو۔ بعد میں جگالی کرنے اور غور و فکر کرنے کے لیے تمہارے پاس کافی وقت ہو گا۔“ (سہ ماہی تدر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۲۷)

”تندر قرآن“ کے تعارف میں امین احسن لکھتے ہیں:

”میری چالیس سال کی محنتوں کے نتائج کے ساتھ ساتھ، اس میں میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۵،۳۰ سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں۔ مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے، سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے، لیکن میں یہ دعویٰ کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔ مولانا سے میرے استفادے کی شکل یہ نہیں رہی کہ ہر آیت سے متعلق یقین کے ساتھ ان کی رائے میرے علم میں آگئی ہو، بلکہ میں نے ان سے قرآن حکیم پر غور کرنے کے اصول سیکھے ہیں اور خود ان کی رہنمائی میں، پورے پانچ سال ان اصولوں کا تجربہ کرنے میں بسر کیے ہیں۔ پھر انھی اصولوں کو سامنے رکھ کر، آج تک کام کرتا رہا ہوں۔ اس اعتبار سے اگرچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ سب کچھ استاذ ہی کا فیض ہے، لیکن اس میں چونکہ بلا واسطہ افادے کے ساتھ ساتھ بلا واسطہ افادے کا بھی بہت بڑا حصہ ہے، اس وجہ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کا جو حصہ مستحکم اور مدلل نظر آئے، اس کو استاذ مرحوم کا صدقہ سمجھیے اور جو بات کمزور یا غلط نظر آئے، اس کو میری کم علمی پر محمول فرمائیے۔“ (۴۱/۱)

فراہی کی تقلید

یہاں کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید امین احسن، اپنے استاذ کے مقلد تھے۔ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اسی مقام پر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کر دی جائے۔ امین احسن ”تندر قرآن“ کے تعارف میں خود لکھتے ہیں:

”قرآن سے باہر کی کسی چیز سے بھی کبھی میری کوئی خاص قلبی و ذہنی وابستگی نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے تو قرآن ہی کے لیے اور قرآن ہی کے تحت ہوئی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ جہاں کہیں مجھے اپنے استاذ سے بھی اختلاف ہوا ہے، میں نے بے جھجک اس کا بھی اظہار کر دیا ہے۔“ (۴۲)

امین احسن، فراہی کے ساتھ اپنی شاگردی کو ہمیشہ اپنا سرمایہ حیات قرار دیتے تھے۔ جیسے ہی ان کے استاد کا ذکر ہوتا تو معلوم ہوتا خوش گوار یادوں کی بارات اتر آئی ہے۔ پھر وہ اپنی اس تدریس کے احوال کا ذکر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کرتے تھے۔ جناب جاوید احمد صاحب غامدی لکھتے ہیں:

”فراہی کا ذکر جب ان کی زبان پر آتا تو آنکھوں میں ایک عجیب چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کلیم ذرہ سیناے علم کی باتیں وہ گھنٹوں کرتے، مگر سیر نہ ہوتے تھے۔ بعض واقعات ایسے دل نواز اسلوب میں سناتے کہ معلوم ہوتا، کسی دیوتا کا ذکر کر رہے ہیں....“

فراہی کے آخری زمانے میں ہندوستان کے ایک بڑے عالم نے ان کی کسی تحریر پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس سے پورے علاقے میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ مدرستہ الاصلاح کے طلبہ اور اساتذہ، سب پریشان تھے۔ میرے لیے بھی یہ ایک بڑا سانحہ تھا۔ اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں فراہی کو ڈھونڈتا ہوا، ان کے دارالمطالعہ کی طرف بھاگا۔ میں نے دیکھا، استاذ امام سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔ دوڑ کر وہیں انھیں بتایا۔ میں خود جس پریشانی میں تھا، ان سے بھی، اسی کے لحاظ سے، کسی رد عمل کی توقع کر رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے زینے پر رکے، پھر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے: اچھا، یہ جن عالم کا تم ذکر کر رہے ہو، وہ تو مجھے نہیں جانتے۔ میں ہکا بکا انھیں دیکھتا کھڑا رہ گیا۔ اس فتوے پر اس سے زیادہ تبلیغ کوئی تبصرہ شاید کبھی نہ ہو سکے۔ وہ بڑے والہانہ انداز میں کہتے: فراہی یہ تھے۔ اس شان کا کوئی شخص اب تم کہاں سے پیدا کرو گے؟“

(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ۱۷)

اس حقیقت کا اعتراف مولانا دریا بادی نے بھی کیا۔ امین احسن نے ڈاکٹر شرف الدین کو بتایا:

”مولوی عبد الماجد دریا بادی کہتے تھے کہ مولانا فراہی کے فکر کی ترجمانی کوئی اور کرتا ہے تو پڑھ کر وحشت ہوتی ہے۔ ان کے افکار کی ترجمانی کا حق صرف مولانا امین احسن اصلاحی کو ہے۔ وہی اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مولوی صدر الدین اصلاحی نے کچھ لکھنا شروع کیا۔ ماجد صاحب نے اپنے صدق میں اس پر سخت نوٹ لکھا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا جس کے بعد انھوں نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔“ (ذکر فراہی ۵۷۸)

اور جب امین احسن نے تفسیر ”تدبر قرآن“ مکمل کر کے اس امانت کا حق ادا کیا تو ان کے جذبات کا عالم کیا تھا؟ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

”تفسیر لکھنے میں صرف ہونے والی مدت، اپنی اور استاد کی مشترکہ مجموعی کاوش کے متعلق لکھتے ہیں:

”تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے ۵۵ سال صرف کیے ہیں، جن میں ۲۳ سال صرف کتاب

کی تحریر و تسوید کے نذر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو اسٹاذامام رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آیا ہے۔ اگرچہ میں اپنے فکر کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ کے فکر کے ساتھ ملانا بے ادبی خیال کرتا ہوں، لیکن چونکہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے عمر بھر اسٹاذ کے سر میں اپنا سر ملانے کی کوشش کی ہے اور میرا فکر ان کے فکر کے قدرتی نتیجہ ہی کے طور پر ظہور میں آیا ہے، اس وجہ سے یہ جوڑ ملانے کی جسارت بھی کر رہا ہوں، اگر یہ بے ادبی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔۔۔

”تدبر قرآن“ کو فراہی مکتب فکر کی نمائندہ تفسیر کہا جاتا ہے۔ تدبر قرآن لکھنے کے لیے امین احسن اصلاحی نے فراہی کی عربی تفسیر ”نظام القرآن“ کے مطبوعہ اجزاء کے علاوہ تمام غیر مطبوعہ مسودات کی اصل کاپیاں دائرہ حمید یہ (انڈیا) سے منگوا لیں۔ قرآن مجید کے وہ نئے منگوائے جو مولانا فراہی کے زیر مطالعہ رہے اور جن پر ان کے حواشی اور نوٹس ہیں۔ ان حواشی کی کیفیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کو الگ سے نقل کر رکھا ہے۔ اس کے مطابق وہ تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر میں استعمال کیا۔ یہ تمام چیزیں دائرہ کی تحویل میں تھیں۔ اور دائرہ کی ملکیت تھیں۔ دائرہ کے قیام کا اولین مقصد ان غیر مطبوعہ باقیات کی حفاظت اور طباعت و اشاعت تھا۔ اس کام میں کوئی چاشنی نہ تھی۔ یہ ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ اصلاحی صاحب کا کام مکمل ہو گیا تو یہ مسودات واپس گئے۔ مگر حواشی والے دونوں قرآن واپس کرنے سے امین احسن اصلاحی نے انکار کر دیا۔ واپسی کی کارروائی چونکہ میرے ذریعہ ہوئے اس لیے مجھے ان باتوں کا براہ راست علم ہے۔ فراہی کے ہاتھ کے عربی مسودات میں سے بھی کچھ چیزیں واپس نہیں گئیں۔ قرآن کے نئے نو اصلاحی صاحب کے پاس ہیں، مگر مسودات کے گم شدہ حصوں کا کچھ پتا نہیں چلا۔ گم یا کم ہونے کا پتا اس لیے چلا کہ مولانا بدرالدین نے اپنے ہاتھ سے ان کی نقلیں تیار کر کے رکھی تھیں۔ بدرالدین اصلاحی کا بیان ہے کہ گم شدہ اوراق کے ترجمے، مولانا اصلاحی کے شاگرد خاص خالد مسعود کے قلم سے شائع ہوتے رہے۔“ (ذکر فراہی ۵۷۹-۵۸۰ء)

باب ۳

دائرہ حمید یہ اور الاصلاح

۱۹۳۵ء میں امین احسن نے فراہی کی غیر مطبوعہ تصانیف کی ترتیب، تدوین اور اشاعت کے لیے مدرستہ الاصلاح

میں ایک ادارہ ”دائرہ حمیدیہ“ قائم کیا۔ (اس کے صدر فراہی کے معالج خاص ڈاکٹر حفیظ اللہ اور نائب صدر جناب ڈپٹی عبدالغنی انصاری انکم ٹیکس کمشنر ساکن جیگہاں مقرر ہوئے۔ علمی اور انتظامی امور کے لیے کوئی باقاعدہ عملہ نہیں رکھا گیا۔ مدرسے کے لوگ ہی اعزازی طور پر ساری خدمات انجام دیتے تھے) (ذکر فراہی ۵۷۴۔ ۵۷۵ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۶)۔

اس کے زیر اہتمام جنوری ۱۹۳۶ء میں ایک اردو ماہنامہ ”الاصلاح“ کا اجرا ہوا۔ فراہی کا کام عربی زبان میں تھا۔ ”الاصلاح“ میں اس کے اردو تراجم شائع کیے گئے۔ مسودات کی ترتیب و تدوین کا کام اختر احسن اصلاحی کرتے اور اس کا ترجمہ اور رسالے کی ادارت امین احسن۔

اس کے علاوہ اس رسالے میں امین احسن کی اپنی تحقیقات بھی شائع ہوئیں، جو بعد میں ”حقیقت شرک“، ”حقیقت تقویٰ“ اور ”توضیحات“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح فراہی کے تراجم ”مجموعہ تفاسیر فراہی“ کے نام سے شائع ہوئے۔
ڈاکٹر ظفر الاسلام انصاری لکھتے ہیں:

”مجلہ ”الاصلاح“ قرآنیات کے ساتھ مخصوص تھا، علمی انداز و بلند معیار اس کا امتیاز تھا۔ اس کی مدت اشاعت محض چار سال (۱۹۳۶-۱۹۳۹ء) تک محدود رہی، لیکن اس مختصر مدت میں جو مضامین، مقالات و تبصرے اس میں شائع ہوئے وہ معیار و مواد کے اعتبار سے دینی و علمی لٹریچر کا ایک قیمتی سرمایہ کہے جاسکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ۱۹۹۱ء میں ادارہ علوم القرآن (سر سید نگر، علی گڑھ) سے شائع شدہ کتاب ”قرآنی مقالات“ سے لگایا جاسکتا ہے جو ”الاصلاح“ کے منتخب قرآنی مقالات کا مجموعہ ہے۔ مزید برآں مولانا اصلاحی نے دائرہ حمیدیہ کے تحت مولانا فراہی کی عربی مطبوعات: ”نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان“ (۱۳ سورتوں کی تفسیر کا مجموعہ)، فاتحہ نظام القرآن، الامعان فی اقسام القرآن اور ”الرأی الصحيح فی من هو الذبیح“ کو اردو میں منتقل کر کے اردو داں طبقہ کو قرآنیات کے ایک اہم ذخیرہ سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔“

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۱۷)

”الاصلاح“ کی اشاعت چار سال بعد ۱۹۳۹ء کے آخر میں معطل ہو گئی۔ ضیاء الدین اصلاحی اس بارے میں بتاتے ہیں:

”دائرہ حمیدیہ کی طرف سے ان کی ادارت میں ایک بلند پایہ علمی ماہنامہ ”الاصلاح“ بھی جاری ہوا۔

مگر ناقدری کی بنا پر یہ چار برس ہی میں بند ہو گیا۔ تاہم اس میں قرآنیات پر ایسے محققانہ مضامین شائع

ہوئے کہ آج تک لب ساقی پر کمر صدا جاری ہے:

کون ہوتا ہے حریف مر دافکن عشق“

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۸)

امین احسن کی ”مبادی تدبر قرآن“ اسی دور کی تصنیف ہے۔

”الاصلاح“ میں شائع ہونے والے فرہادی کے مسودات کے ترجموں میں کچھ تصرفات بھی کیے گئے۔ ڈاکٹر

شرف الدین اصلاحی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”...امین احسن اصلاحی کے قلم سے مولانا فرہادی کے مطبوعہ اجزائے تفسیر (عربی) کے اردو ترجموں کا سلسلہ

اسی رسالے میں شروع کیا گیا۔ مصلحتاً ان ترجموں میں مولانا اصلاحی نے کچھ تصرفات بھی کیے۔ کہیں کہیں

عبارت حذف کر دی گئی جس پر نکتہ چینوں نے گرفت کی۔ غالباً اس کے بعد ہی مولانا اصلاحی نے مجموعہ تفسیر

فرہادی کے دیباچہ میں اس کے ذکر یا وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ لکھتے ہیں:

”میں نے بھی ان کے ترجمہ میں دیانت داری کے خیال سے کچھ زیادہ تصرف نہیں کیا ہے، صرف مقدمہ اور

تفسیر سورہ فاتحہ سے بعض ایسے حصے ترجمہ میں حذف کر دیے ہیں جو بالکل ہی ناتمام یادداشتوں کی شکل میں تھے

”ارخ“ واقعی دیانت داری کا تقاضا یہی ہے۔“ (ذکر فرہادی ۵۷۴)

”دائرہ حمیدیہ“ کے بارے میں ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مزید لکھتے ہیں:

”دائرہ حمیدیہ نے مولانا فرہادی کے مسودات میں سے بعض چیزیں شائع کیں اور یہ سلسلہ سست رفتاری

سے کم و بیش جاری رہا۔ دائرے کا اصل اور بنیادی مقصد یہی تھا۔ لیکن اس کے لیے نہ کارکن تھے۔ نہ سرمایہ۔

مدرسہ سے وابستہ شاگردوں نے ہی بغیر کسی معاوضہ کے یہ فریضہ انجام دیا۔ ان شاگردوں میں اختر احسن

اصلاحی اور امین احسن اصلاحی نمایاں ہیں۔ ماہنامہ اصلاح کے بعض شمارے بیچ سے غائب ہیں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ رسالے کی جگہ فرہادی کی کوئی کتاب بھیجی جاتی رہی۔ ماہنامہ اصلاح اور ماہنامہ ترجمان القرآن میں علمی

معرکہ آرائی بھی ہوتی تھی۔ اور ان کے مابین رشتہ مواخاۃ بھی قائم ہوا۔ اس وقت حوالہ سامنے نہیں۔ لیکن

اس روایت کی اصل کہیں موجود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ میرا سہو ہو۔

مولانا مودودی سرانے میر آئے۔ مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کے تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے۔ وہ

جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے جو پہلے دینی جمع سیاسی جماعت تھی پھر سیاسی جمع دینی جماعت میں مبدل

ہوئی۔ ان کی پہلی بیوی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ مولانا مودودی نے پٹھان کوٹ کے ایک رئیس خاندان میں

ان کی دوسری شادی کرادی۔ برصغیر کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا تو وہ پٹھان کوٹ میں تھے۔ مولانا مودودی کی امارت میں قائم جماعت کے ساتھ وہ بھی پاکستان منتقل ہو گئے۔

مشن جس کے لیے فراہی نے سید سلیمان ندوی کے بقول امین احسن کو تیار کیا تھا اور جس کی حقانیت اور برتری کے وہ دل سے قائل تھے، اس مشن کے لیے اس زمانے میں فراہی کے ایک عقیدت مند نے پچاس ہزار کی خطیر رقم کا عطیہ دیا تھا۔ اور وہ رقم اصلاحی صاحب کے نام ان کے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کر دی گئی تھی۔ اس وقت کے پچاس ہزار کی مالیت آج کے پچاس لاکھ کے برابر ہے۔ وہ رقم ہمیشہ کے لیے ڈوب گئی۔ درد رکھنے والوں نے ہزار جتن کیے کہ مولانا کسی طرح ایک بار آجائیں رقم نکلوانے کے لیے فقط ایک دستخط کرنا تھا۔ وہ رقم ان کی بے اعتنائی کی وجہ سے ضائع گئی۔ میرے پاس مذکورہ بالا پچاس ہزار سے متعلق دستاویز کی نقل فوٹو سیٹ کاپی اور ضروری معلومات موجود ہیں۔

یہ بات سخت خلیان کا باعث بنتی ہے جب آدمی دیکھتا ہے کہ پچاس ہزار کی رقم سے کوئی کام نہ لیا گیا اور اسے یوں ہی ضائع کیا گیا۔ فراہی کے دوا شدہ تلامذہ میں سے امین احسن اصلاحی کو بعض ایسی خوبیوں سے بہرہ وافر ملتا تھا جو اختر احسن میں نہیں تھیں۔ ان کے فراہی کے مدرسہ اور دائرہ کو چھوڑنے سے جو خلا پیدا ہوا وہ کسی طور پر نہ ہو سکتا۔ سرمایہ تو ڈاکٹر حفیظ اللہ کے گراں قدر عطیے نے فراہم کر دیا، مگر افرادی قوت جو پہلے ہی کم تھی مولانا اصلاحی کی ہجرت سے اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس وقت کے ناظم حاجی رشید الدین صاحب نے مولانا مودودی کو خط لکھا کہ وہ امین احسن کو سرائے میر واپس بھیج دیں۔ انھوں نے مدرسہ اور دائرہ کے کام کی اہمیت کا حوالہ دیا۔ اور اس نقصان کی طرف توجہ دلائی جو اصلاحی صاحب کے ترک وطن کے باعث ان اداروں کو پہنچا۔ یہ بات مجھے بدر الدین اصلاحی نے بتائی اور میرے پاس حاجی رشید صاحب کے اس خط کی ایک دستی کاپی بھی موجود ہے۔ اس کا جواب مولانا مودودی نے یہ دیا کہ دائرہ کو پچاس ہزار کی رقم سمیت پٹھان کوٹ منتقل کر دیا جائے۔ کہتے ہیں مودودی صاحب کا یہ خط شائع ہو گیا ہے۔ میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن بدر الدین صاحب کی زبانی اس کے مندرجات معلوم کر کے مجھے افسوس ہوا۔ مولانا مودودی کو صرف اپنی تحریک و تنظیم سے غرض تھی۔ فقط اتنی سی بات بھی ان کی علمی و دینی بصیرت کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں پیدا کرتی۔

بدر الدین اصلاحی نے مجھے بتایا کہ امین احسن اصلاحی کو خط لکھا گیا کہ فراہی کے مسودات کی اشاعت کی فکر کرنی چاہیے۔ انھوں نے جواب میں یہ تجویز سال کی کہ مولانا فراہی کے مسودات کی اشاعت کا کوئی فائدہ نہ ہو گا ان کو سمجھ گیا۔ بہتر ہو گا کہ ان کے افکار کو سامنے رکھ کر اردو میں نئے سرے سے ایک تفسیر لکھ دی

جائے۔ ان کا خط پڑھ کر اختر احسن نے آہ سرد بھری اور حسرت و یاس کے عالم میں کہا کہ کوئی نہیں چاہتا کہ دنیا فراہی کو بھی جانے۔ میں نے اس خط کے بارے میں بدرالدین صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ محفوظ نہیں رہا۔ ایک زمانے میں اصلاحی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مولانا فراہی کی مطبوعہ چیزوں کو چھاپنے کا آغاز کیا تو اصلاحی صاحب نے مجھ سے کہا کہ پہلے ہم ان چیزوں کو چھاپیں گے۔ پھر ان سے جو آمدنی ہوگی اور سرمایہ جمع ہوگا ان کو خرچ کر کے مسودات کی طباعت کا سامان کریں گے۔ میں یہ سن کر خوش ہوا اور میرے دل میں تحسین اور شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوئے۔

سرائے میر کو چھوڑ کر پٹھان کوٹ آنے اور جماعت اسلامی جو اُن کرنے کے بعد امین احسن صاحب نظم جماعت کے پابند ہو کر جماعتی سرگرمیوں میں لگ گئے۔ اس زمانے میں لکھنے کا کام کم کیا اگر کوئی چیز لکھی تو اس کا تعلق جماعت سے جوڑنا زیادہ صحیح ہوگا۔

ایام اسیری کی فرصت میں ”مسلمان عورت دور ہے پر“ جیسی کتابیں لکھیں یا جماعت کے جلسوں اور اجتماعات میں کی گئی تقریروں پر مشتمل کتابیں شائع کیں۔ تحریک و تنظیم کا مزاج اور مذاق بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے ہٹ کر کسی چیز کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ مولانا مودودی کے درس قرآن کے ساتھ ان کا درس قرآن بھی ہوتا تھا اس میں وہ نظم قرآن وغیرہ کی باتیں کرتے تھے تو جماعت کے عام لوگ تو بے چارے کیا سمجھتے اور کیا کہتے۔ اعیان و اکابر یہ کہتے کہ اصلاحی صاحب نظم کی جو باتیں کرتے ہیں وہ زیادہ تر کھینچا تانی ہوتی ہے۔ ان کے مخاطب اپنی ذہنی اور علمی سطح کے لحاظ سے اس کے اہل نہیں تھے۔“ (ذکر فراہی ۵۷۵)

”... سال گذشتہ، میں ہندوستان گیا تو مولانا بدرالدین حال ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ اختر احسن اصلاحی کی وفات کے بعد وہی دائرہ حمیدیہ وغیرہ کے وارث و امین تھے۔ ان کی وفات کے بعد وراثت اور جانشینی کا مسئلہ وہاں درپیش تھا۔ واپس آکر میں نے اس کا ذکر اصلاحی صاحب سے کیا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے کچھ سوچا ہے۔ انھوں نے خالد مسعود کا نام لیا۔ گویا وہ نام زد خلیفہ ہیں۔ لیکن چونکہ مولانا ابھی زندہ ہیں اس لیے بکس ابھی تک انھی کے کمرے میں ہے۔ مولانا کی صحت جب زیادہ بگڑ گئی تو مجھے قرآن مجید کے ان دو نسخوں کا خیال آیا۔ میں نے خالد مسعود سے پوچھا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر نعمان صاحب سے دریافت کیا تو یہ جان کر اطمینان ہوا کہ وہ نسخے محفوظ ہیں اور وہ بکس مولانا اصلاحی کے کمرے میں ان کی چارپائی کے نیچے ہے (تحریر ستمبر ۱۹۹۷ء)۔“ (ذکر فراہی ۵۸۱)

”الاصلاح“ میں کام کرنے سے امین احسن کو جو فائدہ ہوا، اس کا ذکر انھوں ڈاکٹر شرف الدین صاحب سے

مختلف مواقع پر کچھ یوں کیا:

”مدرسے میں مولانا کی وفات کے بعد رسالہ اصلاح میں جو کچھ علمی کام کیا ہے وہ چھپ چکا ہے۔ فکر فراہی پر میری تیار کی کا زمانہ یہی ہے جب میں نے رسالہ نکالا اور ترجمے کیے۔ مولانا کی تمام چیزیں اس زمانے میں پڑھ ڈالیں۔ اشعار کی تلاش میں اختر اصلاحی مدد کرتے تھے۔ وہ ادھر ادھر سے تلاش کر کے نکالتے تھے۔“
(ذکر فراہی، ۵۷۸)

مترجم

”دائرۂ حمیدیہ“ اور ”الاصلاح“ کے لیے امین احسن نے فراہی کی کتابوں کے جو ترجمے کیے، وہ اس قدر عمدہ تھے کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی جیسے انشا پرداز نے لکھا کہ کسی شخص کو اگر عربی زبان کی اعلیٰ علمی عبارتوں کے اردو میں منتقل کرنے کا سلیقہ سیکھنا ہو تو اسے یہ ترجمے دیکھنے چاہئیں۔ اسی ضمن میں جناب ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

”مولانا کے انتقال کے بعد ان کے افکار و تصانیف کی اشاعت کے لیے مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں دائرۂ حمیدیہ قائم ہوا جس نے مولانا کی عربی تصانیف کے متون اور ان کے سلیس و شگفتہ اردو ترجمے شائع کیے۔ یہ ترجمے مولانا اصلاحی نے اتنی خوبی اور قابلیت سے کیے ہیں کہ ان پر اصل کا دھوکہ ہوتا ہے۔“ (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ۸)

دارالاسلام بھال پور سے ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو حکیم محمد مختار اصلاحی کے نام خط میں امین احسن نے اپنا ارادہ واضح کرتے ہوئے لکھا:

”آج کل کچھ صحت خراب ہے۔ رمضان میں میرا ارادہ بھی راہوں^۲ ہی میں قیام کا ہے۔ اور رمضان کے بعد مستقلاً اعظم گڑھ منتقل ہو جانے کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو وہیں سے جماعت کی خدمت اور دائرہ کی تجدید کا ارادہ ہے۔ (جماعت سے مراد جماعت اسلامی اور دائرہ سے مراد دائرۂ حمیدیہ ہے جو مولانا فراہی کے افکار کی اشاعت کے لیے مولانا مرحوم نے مدرسۃ الإصلاح میں ۱۹۳۵ میں قائم کیا تھا۔ ملکی تقسیم کے بعد کے حالات میں مولانا اس فیصلہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ مدیر)“ (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ۴۶)

۲۔ مولانا کاسرالی گاؤں جواب بھارتی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں ہے۔

لیکن پاکستان آکر بھی امین احسن نے فراہی کی امانت کا حق ادا کر دیا۔ زندگی کے آخری برسوں میں ایک موقع پر امین احسن نے کہا:

”مولانا فراہی ایک سر مخفی تھے، میں نے انہیں آشکارا کیا....۔“

میں نے ایک دھیلا خرچ کیے بغیر وہ کام کر دیا جس کے لیے ڈاکٹر حفیظ اللہ نے پچاس ہزار کا عطیہ دیا تھا۔ اب انہیں مجھ سے یہ شکایت نہیں ہو سکتی کہ میں نے کچھ نہ کیا اور روزِ حشر مجھے ان سے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا....۔

یہ (اکیسویں) فراہی صدی ہے۔“ (ذکر فراہی ۵۸۲)

